© rasailojaraid.com

فکر و نظر............ اسلام آباد		جلد: ۴۳		شمارہ: ۳

تعارف و تبصرۂ کتب

نام کتاب	:	ہمارا دینی نظامِ تعلیم
مؤلف	:	محمد امین
ناشر	:	دارالاخلاص (مرکز تحقیقِ اسلامی)، ۴۹-ریلوے روڈ، لاہور
سالِ اشاعت	:	۲۰۰۴ء
صفحات	:	۳۱۴
قیمت	:	درج نہیں
مبصر	:	سفیر اختر*

برصغیر پاکستان و ہند و بنگلا دیش پر نو آبادیاتی تسلط مقامی مسلم معاشرے کے لیے محض ایک سیاسی چیلنج ہی نہ تھا، بلکہ اِسے نو آبادیاتی حکمرانوں کی توانا تہذیب و تمدن کا سامنا بھی تھا۔ مسلم معاشرہ، مقامی ہندو تہذیب کے درمیان اسلام کی منفرد تعلیمات کی بنیاد پر نہ صرف پروان چڑھا، بلکہ ہندو تہذیب کی زبردست قوتِ انجذاب، جس نے بُدھ مت کو دیس نکالا دے دیا تھا، کے علی الرغم اپنی شناخت قائم رکھنے میں کامیاب رہا تھا، تاہم انیسویں صدی میں مسلم معاشرہ علمی و اخلاقی انحطاط کا شکار تھا، اور اِس کے مدِمقابل نو آبادیاتی حکمران علم و دانش کے بعض میدانوں میں اپنی پیش رفت کے جھنڈے گاڑھے ہوئے تھے، اور کچھ کرگزرنے کے جذبے سے سرشار تھے۔ علم و دانش اور جذبۂ کار ہی نے اُنہیں زندگی کی بازی جیت لینے کے قابل بنا دیا تھا۔

نوآبادیاتی اثر و رسوخ کے بڑھنے کے ساتھ برصغیر کے مسلم اہلِ دانش نے اپنے زوال و انحطاط کے اسباب کا تو جائزہ لیا، اور حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے کچھ اقدامات بھی تجویز کیے جن پر ایک حد تک عمل بھی ہوا، مگر اُبھرتی ہوئی نو آبادیاتی طاقت اُن کی توجہ حاصل نہ کرسکی۔ اٹھارہویں صدی میں مغربی تہذیب و تمدن کا کوئی قابلِ ذکر مطالعہ و جائزہ سامنے نہ آیا۔ یہی سبب ہے کہ جب تحفظِ آزادی کی آخری عسکری کوشش (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی) ناکام ہوئی تو نو آبادیاتی اقتدار کے تہذیبی چیلنج کے حوالے سے مسلم اہل دانش کا روّیہ زشت و خوب کے تجزیے کے بجائے خود سپردگی یا انتہا

☆ چیف ایڈیٹر، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی-اسلام آباد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پسندانہ مخالفت کا تھا، سرسیّد احمد خان جیسے بزرگ کو دکھائی دیا۔

اس تصور کے تحت وہ برصغیر کے مسلم معاشرے کی ''تہذیبِ اخلاق'' کے لیے کوشاں رہے۔ اِس کے برعکس دوسری رائے کے مطابق مغربی تہذیب میں کوئی خوبی نہ تھی، اِس لیے مسلم معاشرے کو تبدیلی یا اصلاح کے بجائے اپنی رواں حالت پر ہی آگے بڑھنے کی ضرورت تھی۔ ان دو باہم متضاد روّیوں کے نتیجے میں جہاں زندگی کے دوسرے دوائر متاثر ہوئے، وہیں تعلیم کے حوالے سے ''جدید'' اور ''قدیم'' کے دھارے وجود میں آئے۔ نو آبادیاتی حکمرانوں اور اُن کے ہم خیال مسلم اہل دانش نے مغربی اقدارِ حیات اور تصورِ علم کے مطابق تعلیمی ادارے قائم کیے، اور دینی و تہذیبی شناخت کے تحفظ کے لیے کوشاں اہل دانش نے سترھویں صدی کے تعلیمی نصاب و نظام کو علی حالہٖ قائم رکھنے پر زور دیا۔ نظامِ تعلیم کے یوں دو دھاروں میں بٹ جانے کے نتیجے میں ایک دو نسلیں گزرنے پر ہی جدید اور قدیم کے درمیان پیدا ہونے والی ذہنی خلیج محسوس ہونے لگی تھی، چنانچہ ان دونوں دھاروں کے امتزاج کا احساس اُبھرنے لگا اور یکے بعد دیگرے ایک سے زیادہ کوششیں کی گئیں، تاہم اخلاصِ نیت کے باوجود اِن میں سے کوئی ایک بھی بحیثیت مجموعی کامیاب نہ ہوسکی۔ جدید و قدیم کے امتزاج کا دعویٰ کرنے والے ادارے ''قدیم'' کا مثنیٰ ہو کر رہ گئے، حتیٰ کہ مسلمانانِ برصغیر کی سیاسی جدوجہد مملکتِ خداداد پاکستان کے ظہور پر منتج ہوئی۔

قیامِ پاکستان پر یہ اُمید کی جا سکتی تھی کہ اسلام کی اس ''تجربہ گاہ'' میں جو نظامِ تعلیم متعارف کرایا جائے گا، وہ دین اور دنیا کے حسین امتزاج پر مبنی ہوگا، جو ایک مسلمان کی دُنیوی اور اُخروی زندگی کو یکساں طور پر سنوارنے کا باعث ہوگا، مگر اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

وطنِ عزیز میں دین و دُنیا کے امتزاج پر مبنی کوئی تعلیمی نظام تو وجود میں نہ آ سکا، اور نو آبادیاتی دور میں وجود میں آنے والے جدید و قدیم تعلیم کے ادارے حسب سابق کام کرتے رہے، اور وقت کے ساتھ پھیلتے پھولتے رہے، تاہم وقتاً فوقتاً دینی نظامِ تعلیم کی اصلاح، اور اِسے جدید سے قریب تر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لانے کے لیے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر کوششیں کی جاتی رہی ہیں جو بوجوہ کامیاب نہیں ہو سکیں۔ ۱۱ستمبر کے حادثے کے بعد ایک بار پھر دینی مدارس اور اُن کے طلبہ مطالعہ و تحقیق کا موضوع ہیں۔ بعض حلقوں کے تجزیے کے مطابق دینی مدارس انتہا پسندی اور عسکریت کو پروان چڑھانے کا سبب ہیں، اور اس تأثر کو افغانستان کے سابق حکمرانوں کے عرفی نام ''طالبان'' کی وجہ سے تقویت حاصل ہوئی ہے۔ کیا افغانستان کے سابق حکمران اور اُن کے دست و بازو مدارس کے طالب علم ہی تھے، یا اُنھیں افغان معاشرے کے سرکردہ افراد اور قبائلی رہنماؤں کی تائید و حمایت حاصل تھی؟ اس سوال کے جواب سے قطع نظر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ پانچ برسوں میں عالم اسلام میں دینی تعلیم، تعلیمی نصابات، مدارس و جامعات کی ہیئت، اساتذہ کی تعلیم و تربیت اور دینی طبقے کے مسلم معاشروں پر اثرات کے متعدد جائزے اور رپورٹیں سامنے آئی ہیں۔ ان ہی جائزوں اور رپورٹوں میں سے ایک ''ہمارا دینی نظامِ تعلیم'' پیشِ نظر ہے۔

اس کتاب کے مؤلف جناب محمد امین کی دینی تعلیم سے دلچسپی ۱۱ ستمبر کے حادثے کا نتیجہ نہیں، بلکہ وہ ۱۹۸۷ء سے اِس موضوع پر فکری اور عملی کام کر رہے ہیں۔ وہ ان اہل علم میں سے ہیں جو موجودہ دینی نظامِ تعلیم کے مثبت پہلوؤں کے مداح ہیں، اور اِسے حالات کے تقاضوں کے مطابق خوب سے خوب تر دیکھنے کی تمنا رکھتے ہیں۔ ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۲ء کے دوران میں اُنھوں نے اسلامی تناظر میں جدید تعلیم کا نصاب مدون کیا (جو رپورٹ کی صورت میں دستیاب ہے)۔ ۲۰۰۰ء میں اُنھوں نے ''مجلس فکر و نظر'' کے زیر اہتمام دینی مدارس کے ذمہ داروں کے ساتھ اشتراک کرتے ہوئے دینی تعلیم کی اصلاح کے لیے باہم غور و فکر کیا جس کا حاصل ایک رپورٹ ''دینی مدارس اور اصلاحِ نصاب'' (لاہور: مجلس فکر و نظر، ۲۰۰۱ء) کی شکل میں اہلِ علم کے سامنے رکھا گیا۔ اِس اہم رپورٹ کی تیاری کے ساتھ اُنھوں نے وقتاً فوقتاً دینی نظامِ تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر مجالس میں اظہارِ خیال کیا، یا اخبارات و جرائد کے ذریعے اپنی رائے ظاہر کی۔ زیرِ نظر کتاب میں اُنھوں نے ایک دو تحریروں کے اضافے کے ساتھ اپنی متفرق تحریروں کو مناسب انداز میں یک جا کیا ہے۔ جملہ تحریروں کی تفصیل یہ ہے: • ہمارا نظامِ تعلیم • اصلاحِ نصاب — چاروں وفاقوں [وفاق المدارس العربیہ، تنظیم المدارس، رابطۃ المدارس، وفاق المدارس السّلفیہ] کے علماء کرام سے ایک طویل مکالمہ • ایک نئے تعلیمی ماڈل [نمائندہ تعلیمی ادارے] کی ضرورت • دینی مدارس کا نظامِ تربیت: چند اصلاح طلب پہلو • پاکستان کا دینی نظامِ تعلیم: چند اصلاحی تجاویز • تدریب المعلمین • تعلیمی ثنویت کے خاتمے کا طریق کار • ہمارے مسائل کا واحد حل • دینی تعلیم اور فرقہ واریت • خواتین کی دینی تعلیم • مساجد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

و مدارس کے منتظمین کی خدمت میں۔

کتاب کی اوّلیں تحریر ''ہمارا دینی نظامِ تعلیم'' میں جناب مؤلف کے بقول ''کتاب میں شامل مضامین کا خلاصہ و تذکرہ'' آ گیا ہے۔ کتاب پر دینی مدارس سے وابستہ دو نمایاں افراد— مولانا ابو عمار زاہد الراشدی اور مفتی محمد خان قادری — کی تقریظات ہیں۔ ان حضرات کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ باخبر اہلِ مدارس کے ہاں بھی اصلاحِ حال کی شدید خواہش موجود ہے۔ مولانا ابوعمار زاہد الراشدی نے نہایت واضح لفظوں میں کہا ہے: ''دینی مدارس کا موجودہ نصاب و نظام--- آج کی تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں وقت کے ناگزیر تقاضوں کو پورا نہیں کر رہا، بلکہ مجھے اس سے زیادہ سخت بات کہنے میں بھی کوئی حجاب نہیں کہ دینی مدارس کے اربابِ حل و عقد کی غالب اکثریت سرے سے آج کی گلوبل دُنیا کی ضروریات اور تقاضوں کے ادراک و احساس سے محروم ہے''۔ مفتی محمد خان قادری نے اِس طرف توجہ دلائی ہے کہ بدقسمتی سے ''فرقہ واریت ہماری گھٹی میں شامل ہو چکی ہے اور تعلیم محض ایک رسم بن کر رہ گئی ہے''۔

''ہمارا دینی نظامِ تعلیم'' کے مقدمہ نگار جناب احمد جاوید نے ''جدید'' تعلیم کے حوالے سے بتایا ہے:

> ہم نے جدید تعلیم اور اس کے پورے نظام کو قبول تو کر لیا، لیکن اپنی زندگی اور اس کے مستقل مقاصد کے ساتھ اس کی تطبیق میں مکمل طور پر ناکام رہ گئے۔ --- ہم آج تک جدید علوم کے کسی معمولی سے معمولی شعبے میں بھی کوئی ایسا کردار ادا نہیں کر سکے جو اس شعبے میں کسی نئے پہلو کا اضافہ کرتا (صفحات ۱۱-۱۲)۔

اور جہاں تک معاشرے میں دینی تعلیم کا تعلق ہے۔ یہ اعداد و شمار چشم کشا ہیں:

> جنرل ضیاء الحق کے زمانے [۱۹۷۷ء-۱۹۸۸ء] میں جب نظامِ صلوٰۃ قائم کرنے کے لیے سروے کیا گیا تھا تو اُس وقت [یہ] اعداد و شمار سننے میں آئے تھے۔ --- ملک میں ۸۰ ہزار کے قریب مساجد اور مدارس تھے جن کے ائمہ اور اساتذہ میں ۲۰٪ اعلیٰ تعلیم یافتہ، ۳۰٪ متوسط تعلیم یافتہ اور ۵۰٪ برائے نام تعلیم یافتہ افراد کام کر رہے تھے (ص ۲۸۱)۔

یہ صورتِ حال بدلنا چاہیے؟ مگر کیسے؟ — اہلِ علم و نظر کے لیے ایک چیلنج ہے۔

کتاب کی ورق گردانی کرتے ہوئے جہاں بعض اطلاعات کی تکرار کا احساس ہوتا ہے (مختلف

© rasailojaraid.com